ڈاکٹر ریحانہ کوثر
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اُردو
لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی لاہور

کلیاتِ نظم حالی کی تدوین اور ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی

Dr. Iftikhar Ahmed Siddiquieditedtwo editions of Qulyat-e-Nazm-e-Hali. Boththese editions got published by Majlis-e-TaraqiAdab in 1968 and1970. Dr. Iftikhar Ahmad Siddiquihas tried his level best to make one collection of all the poems of Hali this time. By following certain principles in editing, he provided all the content with expertise. This essay encompasses and in detail argues about the merits and demerits of this poetic edition by Dr. Iftikhar Ahmad Siddiqui.

کلیات نظم حالی (دو جلدوں میں) ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی کے مدونہ کاموں میں سے تیسرے نمبر پر ہے۔ اس سے قبل وہ فسانہ مبتلا اور توبۃ النصوح کی تدوین کر چکے تھے۔ کلیات نظم حالی دو جلدوں میں بالترتیب ۱۹۶۸ء اور ۱۹۷۰ء میں مجلس ترقی ادب لاہور کی طرف سے شائع ہوئی۔

''کلیاتِ نظم حالی'' کی ترتیب کے لیے صدیقی صاحب نے ماخذ کی فراہمی کے لیے خاصی محنت سے کام لیا اور حالی کی حسب ذیل چیزیں جمع کیں:

''دیوانِ حالی'' مع مقدمہ شعر و شاعری، طبع اوّل مطبوعہ مطبع انصاری، دہلی ۱۸۹۳ء۔

''دیوانِ حالی'' طبع سوم (انوار المطابع لکھنؤ)، طبع چہارم (الناظر پریس لکھنؤ) اس کے علاوہ دیوان کے متداول نسخے۔

''مجموعہ نظم حالی'' کے تین نسخے جن میں دو نسخے مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ کے (طبع سوم ۱۹۱۸ء اور طبع چہارم) جب کہ تیسرا نسخہ دوآبہ ہاؤس لاہور کا شائع کردہ۔

''دیوان حالی'' اور ''مجموعہ نظم حالی'' میں ۱۸۹۳ء کا بیشتر کلام جمع ہو گیا تھا تاہم بعض مشہور نظمیں ان مجموعوں میں شامل نہیں۔ ان کے علاوہ تین اور مختصر نظمیں بھی شامل نہیں جن میں مبارک باد ۱۸۷۵ء، شکریہ تشریف آوری سر چارلس ایچی سن ۱۸۸۲ء اور شکریہ حضور لیفٹیننٹ گورنر بہادر ۱۸۸۹ء شامل ہیں۔

''جواہراتِ حالی'' مرتبہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی۔ اس میں ۱۸۹۳ء کے بعد کی ۷ غزلیں، ۴۳ نئی رباعیاں اور بہت سی چھوٹی بڑی نظمیں درج ہیں تاہم پہلے کے کلام میں سے اب تک مدون نہ ہونے والی طویل نظمیں (مناجاتِ بیوہ، حقوق اولاد، شکوۂ ہند) اس مجموعے میں بھی شامل نہیں۔

''کلیات نظم حالی (جلد اوّل و دوم)'' مرتبہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی میں ایک مختصر نظم ''مبارک باد'' اور ایک طویل نظم ''شکوۂ ہند'' کے سوا صدیقی صاحب کو کوئی نئی چیز نہ ملی۔ رباعیات کی ترتیب میں شیخ محمد اسماعیل پانی پتی کا مرتبہ حالی کی اردو فارسی رباعیات کا

مکمل مجموعہ، جس میں آخری دور کی دس رباعیاں بھی شامل ہیں، ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی کے پیش نظر تھا، جو صدیقی صاحب کے نزدیک حالی کی رباعیات کے سب مطبوعہ مجموعوں میں ممتاز ہے کیونکہ اس میں رباعیات کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔

دیوان حالی میں جو رباعیاں شامل ہیں، وہ شیخ صاحب نے حالی کے ذاتی نسخے سے نقل کی ہیں۔ اسی لئے کئی رباعیاں ترمیم شدہ شکل میں ہیں۔

''مثنویاتِ حالی'' مرتبہ ڈاکٹر شجاعت سندیلوی، مثنویات حالی میں سے ''مناجات بیوہ'' اور مثنوی ''حقوق اولاد'' جن مجموعوں کا اب تک ذکر آیا ہے، ان میں سے کسی میں شامل نہیں۔ یہ نظمیں الگ الگ طبع و شائع ہوتی رہیں اور بعد میں مثنویات حالی کے مختلف نسخوں میں شائع ہوئیں۔ مثنویات کی تدوین کے وقت صدیقی صاحب کے پیش نظر مندرجہ ذیل نسخے تھے:

۱۔ ڈاکٹر شجاعت سندیلوی کا مرتبہ نسخہ، انوار بک ڈپو لکھنؤ، طبع اوّل ۱۹۶۰ء

۲۔ سید مرتضیٰ حسین فاضل کا مرتبہ نسخہ، شیخ مبارک علی لاہور، ۱۹۶۶ء

۳۔ حالی کی متفرق نظموں کے لاہوری نسخے، مطبوعہ کریمی پریس، مجتبائی پریس، کپور آرٹ پرنٹنگ پریس۔

۴۔ ''کلیاتِ حالی'' مطبوعہ ۱۹۶۰ء، جدید کتاب گھر، دہلی۔

۵۔ ''مسدس مدوجزر اسلام'' پہلا ایڈیشن ۱۸۷۹ء۔ دوسرا ایڈیشن ۱۸۸۰ء۔ تیسرا ایڈیشن ''جستہ جستہ تصرفات'' اور ۱۶۲ بند کے ضمیمے کے ساتھ مطبوعہ ۱۸۸۶ء، تہذیب الاخلاق میں چھپنے والا مسدس۔

۶۔ مسدس کا صدی ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۳۵ء۔ تاج کمپنی والا ایڈیشن

مسدس مدوجزر اسلام کی تدوین کے وقت صدیقی صاحب نے تاج کمپنی کے نسخے کو بنیادی نسخہ قرار دیا اور صدی ایڈیشن (مرتبہ ڈاکٹر سید عابد حسین ۱۹۳۵ء) سے متن کی تصحیح میں مدد لی۔

''ضمیمۂ اردو کلیات نظم حالی (حالی کے فارسی و عربی کلام نظم و نثر کا مجموعہ)'' جس کا صرف ایک ایڈیشن شائع ہوا تھا۔ اس مجموعے سے حصہ نثر کو چھوڑ کر، فارسی و عربی کا تمام کلام ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی کے مرتبہ ''کلیات نظم حالی'' میں بطور ضمیمہ شامل کیا گیا ہے۔

متذکرہ بالا کتابوں کے علاوہ مختلف رسائل سے پچاس اشعار کی فراہمی اور غیر مطبوعہ کلام جو مسودات سے حاصل ہوا۔[۱]

مذکورہ بالا ماخذ سے اخذ و استفادے کے بعد ''کلیات نظم حالی'' میں حالی کی شاعری کے سلسلے کی ہر چیز شامل کر دی گئی ہے۔ صدیقی صاحب نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ ان کی مرتبہ اس کتاب میں حالی کی تمام منظومات جمع ہو جائیں۔ چنانچہ انھوں نے اصول و لوازم تحقیق و تدوین کے تحت شعرِ حالی کے سلسلے کی ہر شے محنت اور بھاگ دوڑ سے فراہم کی۔ اپنے موضوع سے گہری دلچسپی اور موضوع سے متعلقہ مواد کے بارے میں صحیح اور ٹھوس معلومات حاصل ہونے کی وجہ سے صدیقی صاحب نے تہیۂ متن کا مرحلہ بخیر و خوبی طے کر لیا اور ایک سچے محقق و مدون کی طرح اس کی درست درجہ بندی کی۔ یوں وہ تمام مواد کو سلیقے سے پیش کرنے میں کامیاب ہوئے۔

کلیاتِ نظم حالی کی ترتیب میں حالی کے جن شعری مجموعوں سے مدد لی گئی ہے، ان میں دیوان حالی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ متداول نسخوں کے علاوہ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی کو کلیات کی تدوین کے کام کے آغاز ہی میں دیوان کے دو بہتر نسخے مل گئے تھے یعنی طبع سوم (مطبوعہ انوار المطابع لکھنؤ) اور طبع چہارم (مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ)۔ بعد میں جب دیوانِ حالی میسر آ گیا تو اس

سے بھی مکمل استفادہ کیا۔ جس کی صورت یہ رہی کہ صدیقی صاحب نے دیوانِ حالی طبع سوم و چہارم کو سامنے رکھ کر کلیات کی تدوین کا کام مکمل کر لیا تھا، جب طبع اول کا نسخہ ہاتھ آیا تو انھوں نے از اوّل تا آخر اس سے اپنے مرتبہ کلیات کا مقابلہ کیا تو کئی جگہ فرق نکلا جس کی تفصیل خود ان کے الفاظ میں اس طرح ہے:

> ''بعض اشعار میں لفظوں کی ترتیب طبع اوّل سے مختلف ہے، کہیں کوئی لفظ بدلا ہوا ہے، کہیں کوئی شعر حذف ہو گیا ہے۔ متداول نسخے بالعموم طبع سوم پر مبنی ہیں۔ ان میں طبع سوم کی تحریفات کے علاوہ حسب توفیق کاتبوں کے نو بہ نو اضافے بھی ہیں چونکہ طبع سوم (انوار المطابع ایڈیشن) اور طبع چہارم (الناظر ایڈیشن) کے نسخے عموماً مستند سمجھے جاتے ہیں۔ اس لیے حواشی میں ان کے اختلافات درج کر دیے گئے ہیں۔'' [۲]

دیوانِ حالی طبع اوّل ۱۸۹۳ء مطبع انصاری دہلی کو ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے صحت متن کے اعتبار سے لاجواب قرار دیا ہے۔ لہٰذا اپنے کلیات کے متن میں اسی کو شامل کیا ہے اور طبع سوم و چہارم کے اختلافات کو حواشی میں جگہ دی ہے۔ [۳]

لیکن حالی کی تمام منظومات تو دیوان حالی میں شامل نہیں ہیں۔ دیوان سے تین سال پہلے ۱۸۹۰ء میں حالی نے اپنی مثنویاں اور بعض طویل نظمیں ''مجموعہ نظمِ حالی'' کے نام سے چھپوائی تھیں۔ ۱۹۰۳ء میں اس کا دوسرا ایڈیشن چار نظموں کے اضافے کے ساتھ مولوی وحیدالدین سلیم پانی پتی نے شائع کیا تھا۔ اس میں تین نظمیں تو نئی تھیں لیکن نظم ''صدائے گدایانِ قوم'' دیوان حالی میں موجود تھی۔

مذکورہ بالا دونوں نسخے کمیابی کے سبب صدیقی صاحب ''کلیاتِ نظمِ حالی'' حصہ اوّل کی ترتیب کے وقت مہیا نہ کر سکے۔ ان کے پیشِ نظر مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ کے شائع کردہ دو نسخے مطبوعہ ۱۹۱۸ء اور ۱۹۲۳ء اور لاہور والا ۱۹۲۴ء کا مطبوعہ نسخہ تھا تاہم کلیات کی جلد دوم کی طباعت کے زمانے میں انہیں ''مجموعہ نظمِ حالی'' طبع اوّل والا نسخہ بھی مل گیا اور کچھ اور نظموں کی اولین اشاعتیں اور مختلف ماہنامے جن میں یہ نظمیں شائع ہوئی تھیں، ہاتھ آ گئے۔ ان نئے ماخذ کی دستیابی پر ان کے بروقت پیش نظر نہ ہونے کے سبب ''کلیاتِ نظمِ حالی'' جلد اوّل کے متن کی ترتیب و تصحیح میں جو کمی رہ گئی تھی اسے پورا کرنے کے لیے صدیقی صاحب نے صحت نامہ اغلاط مرتب کر کے جلد دوم کے آخر میں لگا دیا اور مثنوی نشاطِ اُمید کے وہ اشعار جو دوسرے ماخذ میں نہیں تھے انہیں ''مجموعہ نظم حالی'' سے لے کر ''کلیات نظم حالی'' کی جلد دوم میں فصل یازدہم کے آخر میں ''نوادرِ حالی'' کے تحت شامل متن کر دیا۔ [۴]

تالیف متن کے کام میں تمام مہیا شدہ مواد کی چھان بین کر کے اس کی درجہ بندی کی جاتی ہے۔ قلمی اور مطبوعہ نسخوں کو ان کی اہمیت کے پیش نظر وقعت دی جاتی ہے اور انہیں اساسی، ذیلی، ضمنی اور اضافی ماخذ کے خانوں میں رکھا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اساسی ماخذ بننے والے وہی نسخے ہو سکتے ہیں جو (خطی) قلمی ہونے کی صورت میں مصنف کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہوں اور اس کے بعد وہ جو مصنف کے کسی عزیز، دوست یا شاگرد کے تیار کیے ہوئے ہوں۔ قلمی نسخوں کی عدم موجودگی میں مطبوعہ نسخوں پر انحصار ہو گا اور ان کی درجہ بندی تدوین کے اصولوں کے مطابق ہو گی۔

''کلیاتِ نظمِ حالی'' کی جلد اوّل کے مشمولات یہ ہیں۔ مقدمہ از مرتب، ترجمہ حالی (خودنوشت سوانح عمری) از مولانا حالی، دیباچہ مسدس مدوجزر اسلام از حالی، مکتوب سرسید بنام حالی، دیباچہ ضمیمہ مسدس از حالی، دیباچہ دیوانِ حالی، دیباچہ مجموعہ نظمِ حالی از مولانا حالی___ اس کے بعد کلامِ حالی کا متن اس ترتیب سے پیش کیا گیا ہے۔

فصل اوّل میں غزلیات، فصل دوم میں قطعات و رباعیات ہیں۔ فصل سوم قصائد و منظومات مدحیہ، سیاسیہ، وداعیہ وغیرہ پر مشتمل ہے۔ فصل چہارم میں مرثیے رکھے گئے ہیں، فصل پنجم میں جدید شاعری کے عنوان کے تحت درسی، اخلاقی اور مناظراتی نظمیں

شامل ہیں اور فصل ششم بچوں کے لیے مختص ہے۔

کلیاتِ نظمِ حالی جلد اوّل کی فصل اوّل کی غزلیات میں پہلے غزلیات قدیم (۱۸۶۳ء تا ۱۸۷۴ء) دی گئی ہیں اور ''فہرست'' میں بتایا گیا ہے کہ ان کا ماخذ دیوانِ حالی طبع اوّل ۱۸۹۳ء ہے۔ یہ تو ہے صدیقی صاحب کی طرف سے ترتیب کلام کی ایک ہلکی سی جھلک، اب ذرا اس کی کچھ تفصیل دیکھتے ہیں۔

ڈاکٹر صدیقی نے اپنے مرتبہ ''کلیاتِ نظمِ حالی (جلد اوّل)'' میں سب سے پہلے فصل اوّل میں غزلیاتِ حالؔی کی ترتیب دی ہے اور ردیف وار غزلیات قدیم کو پیش کیا اور فہرست میں واضح کیا ہے کہ ان کا مآخذ دیوانِ حالی طبع اوّل ۱۸۹۳ء ہے۔ اس کے بعد اسی فصل میں جدید غزلیات ردیف وار دی گئی ہیں۔ ماخذ یہاں بھی دیوانِ حالی طبع اوّل ہے۔ اسی فصل اوّل کے آخر میں غزلیات دورِ آخر ۱۸۹۳ء تا ۱۹۱۴ء کے عنوان کے تحت سات غزلیں پیش کی ہیں اور ان کا مآخذ ''جواہراتِ حالی'' مرتبہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی ہے۔

ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے اپنے مرتبہ ''کلیاتِ نظمِ حالی'' جلد اوّل کی فصل دوم میں قطعات و رباعیاتِ حالؔی کو اس ترتیب سے پیش کیا ہے۔ ۱۸۷۴ء سے ۱۸۹۳ء تک کے قطعات کو (الف) تنقیدی (ب) سیاسی (ج) معاشرتی و اصلاحی (د) طنزیہ و مزاحیہ (ہ) حکایات و مطائبات کے عنوانات کے تحت ترتیب دیا ہے اور آخر میں رباعیات کو رباعیاتِ قدیم (۱۸۶۳ء تا ۱۸۷۴ء) عدد ۱ تا ۷ رباعیاتِ جدید (۱۸۷۴ء تا ۱۸۹۳ء) عدد ۸ تا ۱۰۸ اور رباعیاتِ دورِ آخر (۱۸۹۳ء تا ۱۹۱۴ء) عدد ۱۰۹ تا ۱۶۰ کے عنوانات کے تحت ترتیب دیا ہے۔ فصل سوم سے فصل ششم تک حالی کا کلام جن عنوانات کے تحت مرتب کیا ہے اس کے بارے میں گزشتہ سطور میں وضاحت آ چکی ہے۔

کلیات نظم حالی جلد دوم کا آغاز فصل ہفتم سے ہوتا ہے۔ اس میں ''ہمدردئ نسواں'' کے عنوان کے تحت صدیقی صاحب نے حالؔی کی دو منظومات، ''مناجاتِ بیوہ'' اور ''چپ کی داد'' پیش کی ہیں۔ اوّل الذکر مثنوی ہے اور موخرالذکر ترکیب بند۔ پہلی نظم کا ماخذ مثنویاتِ حالؔی نسخہ رسالۂ شجاعت بتایا گیا ہے اور دوسری کا رسالہ مخزن لاہور۔ فصل ہشتم میں قومی و ملی نظموں کے عنوان کے تحت مسدس مدوجزر اسلام، ضمیمہ مسدس کے ساتھ ''عرض حال'' کے عنوان کے تحت قصیدہ اور ''شکوہ ہند'' کے عنوان سے ترکیب بند کی ہیئت میں لکھی گئی نظم مرتب کی گئی ہے۔ اوّل الذکر تین نظموں کا ماخذ مسدس کا صدی ایڈیشن ہے اور موخر الذکر کا محمڈن پریس علی گڑھ طبع اوّل۔ فصل نہم میں تعلیمی و اصلاحی نظمیں کے عنوان کے تحت پندرہ نظمیں پیش کی گئی ہیں۔ فصل دہم میں تراجم کے عنوان کے تحت چار نظمیں ہیں۔ فصل یازدہم متفرقات و نوادر پر مشتمل ہے۔ اس میں متفرقات کے تحت ایک ناتمام غزل اور ایک ناتمام قصیدہ کے اشعار، ایک قطعہ اور چند اشعار شادی کے رقعہ کے سلسلے کے ہیں۔ اس کے بعد کچھ قطعات تاریخ ہیں اور آخر میں قرآن کریم سے اقتباس کیے گئے کچھ جملے، صفحہ ۳۵۱ سے آخر تک ضمیمے ہیں۔ ان میں حالؔی کا فارسی و عربی کلام ہے۔

شاعری کے کلیات کی ترتیب کا بالعموم یہ اسلوب رہا ہے کہ منظومات کو ہیئت کے اعتبار سے یکجا کر دیا جاتا ہے مثلاً سید مسعود حسن رضوی ادیب نے جون ۱۹۴۵ء میں ''دیوان فائز'' مرتب کر کے انجمن ترقی اردو ہند کی طرف سے ۱۹۴۶ء میں علی گڑھ سے شائع کیا۔ دوسری مرتبہ یہ ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا۔ اس میں فائز کا کل کلام اردو بہ اعتبار ہیئت جمع کر کے پیش کیا گیا ہے۔ پہلے ردیف وار غزلیات ہیں اس کے بعد ایک مخمس ہے آگے چل کر مثنوی کی ہیئت میں ایک نظم ہے جس پر ''بحر طویل ریختہ'' کا عنوان دیا گیا ہے اور پھر چند مزید مثنویات مختلف عنوانات کے ساتھ دی گئی ہیں اور یوں یہ کلام اختتام کو پہنچتا ہے۔

ڈاکٹر محمد حسن نے ''دیوانِ آبرو'' مرتب کر کے پہلی مرتبہ ۱۹۶۳ء میں شائع کرایا۔ اس کا تیسرا ایڈیشن ترقی اردو بیورو نئی دہلی نے ۱۹۹۰ء میں شائع کیا۔ یہاں بھی ترتیب وہی ہے۔ پہلے ردیف وار غزلیات، جنھیں دیوانِ آبرو کے عنوان کے تحت پیش کیا گیا ہے۔ اس کے بعد واسوخت، ترجیع بند، مثنوی، مرثیہ اور پھر متفرقات ہیں اور آخر میں مستزاد، تضمین، مخمس، ترجیع بند اور مثنوی۔ ڈاکٹر محمد حسن نے جس طور پر ''کلیاتِ آبرو'' کو ترتیب دیا ہے اس کی یہ بے ترتیبی کیا جواز رکھتی ہے کہ پہلے صفحات ۲۸۸ اور ۲۹۴ پر بالترتیب واسوخت اور ترجیع بند ہیں۔ اس کے بعد مثنوی اور مرثیہ ہیں اور آخر میں ''متفرقات'' کے عنوان کے تحت دوبارہ مخمس، ترجیع بند اور مثنوی پیش کیے گئے ہیں۔ تمام مثنویاں، مخمس اور ترجیع بند ایک جگہ کیوں نہیں رکھے گئے، اس کی کچھ وضاحت نہیں کی گئی۔ بہر حال ''ترتیب'' کے کاموں میں اس طرح کی بے ترتیبی عموماً نظر آتی ہے۔ حالی کے کلام کو جب شیخ محمد اسماعیل پانی پتی نے مرتب کیا تو انھوں نے بھی ترتیب کے اسی اصول کو پیش نظر رکھا لیکن ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی کو یہ اچھا نہ لگا کہ مختلف موضوعات پر لکھی گئی نظموں کو محض ہئیت کے ایک ہونے کی بنا پر ایک جگہ جمع کر دیا جائے جب کہ ان کے موضوعات میں بعد المشرقین ہو۔ ''ترتیب'' کی ایک صورت زمانی ترتیب کی بھی ہوسکتی ہے کہ اس سے شاعر کے ذہنی ارتقاء کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے لیکن اس میں قباحت یہ ہے کہ بیشتر غزلیات، قطعات و رباعیات اور بعض نظموں کے ادوار متعین کیے جا سکتے ہیں۔ ان کے سنین تصنیف کا تعین محال ہے۔ لہٰذا صدیقی صاحب نے موضوعاتی ترتیب کا اسلوب اختیار کیا لیکن اس کے ساتھ جہاں، جس حد تک مناسب تھا، اضافی اور زمانی ترتیب کو بھی ملحوظ رکھا ہے۔ مثلاً ''کلیاتِ نظمِ حالی'' جلد اوّل کی ابتدائی تین فصلیں چار اصناف پر مشتمل ہیں۔ غزلیات، قطعات و رباعیات اور قصائد۔ صدیقی صاحب نے غزلیات و رباعیات کو اس طرح مرتب کیا ہے کہ پہلے قدیم دور کی غزلیات ہیں۔ پھر جدید دور کی اور آخر میں دورِ آخر کی غزلیں۔ یہی ''اسلوب ترتیب'' رباعیات کا ہے۔ گویا غزلوں اور رباعیوں کو تین تین ادوار میں تقسیم کر کے پیش کیا ہے۔ قطعات میں یہ تقسیم ممکن نہ تھی اس لیے انہیں موضوع کے لحاظ سے ترتیب دیا گیا ہے۔ تیسری فصل میں قصائد کے ساتھ وہ تمام چھوٹی چھوٹی نظمیں جمع کر دی گئی ہیں جو ہئیت کے اختلاف کے باوجود قصیدے سے معنوی رشتہ رکھتی ہیں۔ اس فصل کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں وہ تمام منظومات ہیں جو اپنے موضوع کے اعتبار سے بھی قصیدہ ہیں اور ہئیت کے لحاظ سے بھی۔ دوسرے حصے میں ایسی منظومات ہیں جو مضمون کے اعتبار سے مدحیہ، سیاسیہ یا وداعیہ ہیں اور یوں معنوی لحاظ سے قصیدے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس فصل کی تمام منظومات کو زمانی ترتیب سے پیش کیا گیا ہے۔

تیسری فصل سے لے کر آخر تک موضوعاتی اور زمانی ترتیب کا سلسلہ ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ ترتیب کلام کا یہی اسلوب ''کلیاتِ نظمِ حالی'' حصہ دوم میں کارفرما ہے۔

''کلیاتِ نظمِ حالی'' کی ترتیب میں صدیقی صاحب کو تحقیقِ متن کے بکھیڑوں میں الجھنا نہیں پڑا کہ حالی کی تقریباً سبھی منظومات ان کے زمانے کی طبع شدہ صدیقی صاحب کے سامنے موجود و میسر تھیں۔ (اس کی تفصیل گزشتہ سطور میں پیش کی جا چکی ہے)۔ البتہ ''کلیاتِ نظمِ حالی'' جلد اوّل کی فصل ششم میں شامل ''بچوں کی نظمیں'' کچھ امور میں وضاحت طلب تھیں۔ یہ نظمیں صدیقی صاحب نے شیخ محمد اسماعیل پانی پتی کی مرتبہ ''جواہراتِ حالی'' سے اخذ کی ہیں اور شیخ صاحب نے ''جواہراتِ حالی'' کے مقدمے میں لکھا ہے کہ پرنسپل ٹریننگ کالج لاہور مسٹر نولٹن نے ۱۹۰۸ء میں ''اطوارِ بازیچہ'' کے عنوان سے ایک مجموعہ مرتب کیا تھا۔ شیخ اسماعیل صاحب کے مطابق حالی نے کچھ انگریزی مضامین کو مسٹر نولٹن کی فرمائش پر بچوں کے لیے نظم کیا تھا۔ یہ وضاحت شیخ صاحب نے نہیں کی کہ حالی نے من وعن انگریزی مضامین کے خیالات کو لے لیا یا اس میں کچھ ردوبدل بھی کیا۔ صدیقی صاحب نے حالی کے مکتوبات کی روشنی میں دکھایا ہے کہ حالی نے غالباً اپنی مصروفیات اور پیرانہ سالی کی وجہ سے اپنے بعض شاگردوں یا دوستوں کی مدد سے منظوم

ترجمے کیے۔ جب یہ منظوم تراجم (مشتمل بر بارہ نظمیں) شائع ہوئے تو ان پر حالی کا نام تھا۔ صدیقی صاحب کے مطابق ان منظوم تراجم کا حالی کے نام سے شائع ہونا قابلِ اعتراض نہیں کیونکہ تراجم کے باب میں معاونین کی غیر مبینہ شرکت کی مثالیں موجود ہیں لیکن مناسب یہ تھا کہ انہیں حالؔی کے نام سے شائع کرتے وقت ان سے اجازت لے لینی چاہیے تھی اور انہیں چھاپتے وقت رفع اشتباہ کے لیے ضروری وضاحت کر دینی چاہیے تھی۔ تدوینِ کلامِ حالی کے وقت متن کے سلسلے کی یہی ایک بات تحقیق طلب تھی، ورنہ معاملہ سیدھا اور صاف تھا، کوئی اُلجھن یا بکھیڑا نہیں تھا۔

متون (تحریریں) نثری ہوں یا شعری اپنے مصنف کے جذبہ و احساس اور فکر و نظر کے ترجمان ہوتے ہیں۔ لہٰذا اگر انہیں مرتب کرتے وقت ان کی تاریخ تصنیف متعین کر دی جائے تو اس سے مصنف کے ذہنی تغیر اور ارتقاء کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے نیز یہ معلوم کرنا بھی آسان ہو جاتا ہے کہ اس کے جذبہ و احساس یا فکر و خیال کی تعمیر و تشکیل میں کس قسم کے عناصر کارفرما تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ترتیب و تدوینِ متن کی ذیل میں تاریخِ متن کے تعین کی بڑی اہمیت ہے۔ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی تدوینِ متن کے سلسلے کے اس کام کی افادیت سے چونکہ بخوبی آگاہ تھے، اس لیے انھوں نے اپنے مرتبہ ہر متن کی تاریخِ تصنیف متعین کرنے کی امکان بھر کوشش کی ہے۔

''کلیاتِ نظمِ حالی'' (جلد اوّل و دوم) کو جس نہج پر ترتیب دیا گیا وہ ترتیب موضوعی اور زمانی ملی جلی ہے۔ کلیاتِ مذکور جلد اوّل کی فصل اوّل میں ردیف وار غزلیات دی گئی ہیں چونکہ ہر غزل کا سنِ تصنیف یا اشاعت متعین کرنا ممکن نہ تھا۔ اس لیے انہیں ادوار میں رکھ کر پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ فصل اوّل کے پہلے حصے (الف) میں قدیم غزلیات ہیں جو ۱۸۶۳ء سے ۱۸۷۴ء کے درمیان لکھی گئیں۔ دوسرے حصے (ب) میں غزلیات جدید ہیں جن کا زمانہ تصنیف ۱۸۷۴ء تا ۱۸۹۳ء ہے۔

مولوی عبدالغفور نساخ کی فرمائش پر ان کے تذکرہ ''سخن شعراء'' کے لیے حالؔی نے اپنی دورِ قدیم کی چودہ غزلوں میں سے پچیس اشعار منتخب کر کے بھیجے تھے۔ نساخ کا یہ تذکرہ ۱۸۷۴ء میں شائع ہوا تھا۔

> ''ان اشعار اور دیوانِ حالی مطبوعہ ۱۸۹۳ء (طبع اوّل) میں کہیں کہیں الفاظ کا فرق ہے۔ بعض اشعار دیوان میں نہیں ہیں۔''[۵]

کلیات نظم حالی کی تدوین میں ایک عجیب، ناقابل توجیہہ بات سامنے آتی ہے کہ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے بھی اپنی مرتبہ ''کلیاتِ نظمِ حالی'' جلد اوّل کے مقدمے میں (ص ۳۸۔۳۹) نساخ کے تذکرے کے لیے حالی کے اپنی غزلوں کے اشعار کے انتخاب کا ذکر کیا ہے اور حالی نے جتنی غزلوں سے جتنے شعر نساخ کو منتخب کر کے بھیجے تھے، ان کی تعداد وہی بتائی ہے جو ڈاکٹر شجاعت سندیلوی نے بتائی ہے ـــــ ظاہر ہے کہ نساخ کے تذکرے میں شامل ان اشعار کی وجہ سے ان کے کہے جانے کے زمانے کے تعین میں مدد ملی ہے اور شاید اسی وجہ سے کہ ان اشعار کے کہے جانے کا زمانہ ذہن میں رہے، ڈاکٹر افتخار صدیقی نے نساخ کے تذکرے میں شامل یہ اشعار اپنے مرتبہ ''کلیاتِ نظمِ حالی'' (جلد اوّل) میں جہاں جہاں آئے ہیں، حواشی میں یہ وضاحت کی ہے کہ یہ اشعار نساخ کے تذکرے میں بھی ہیں۔ یہ اشعار تعداد میں ۲۵ ہیں، اس لیے صدیقی صاحب کو اپنے مرتبہ کلیات میں تقریباً پچیس ہی مرتبہ بتانا پڑا ہے کہ یہ اشعار یا شعر نساخ کے تذکرے میں بھی ہیں۔ اس قسم کی نشاندہی کے وقت بار بار نساخ کے ذکر سے ظاہر ہوتا ہے کہ نساخ کا تذکرہ صدیقی صاحب کے پیش نظر ہے۔ ان کے مرتبہ کلیات جلد دوم کے صفحہ (۴) ''کتابیات'' کے ذیل میں اڑتیسویں (۳۸) نمبر پر تذکرہ سخن شعراء کا اندراج بھی یہی اعلان کرتا ہے کہ تذکرۂ مذکور کلیات کی ترتیب کے وقت صدیقی صاحب

کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ اندریں حالات شبے کی بظاہر کوئی بات نہیں لیکن ''کلیات'' کی جلد اوّل کے صفحہ ۶۸ کے حاشیہ کو پڑھ کر قاری مخمصے میں پڑ جاتا ہے کیونکہ اس حاشیے کے ضمن میں صدیقی صاحب فرماتے ہیں:

سخن شعرا میں یہ شعر یوں درج ہے (آگے شعر ہے) اور پھر یہ عبارت ہے۔ (بحوالہ حالی بحیثیت شاعر، ص۱۹۰)

کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب تذکرہ سخن شعراء ان کے پیش نظر موجود ہے تو ''حالی بحیثیت شاعر'' کے حوالے کی کیا ضرورت تھی جب کہ اس ایک شعر کے علاوہ نساخ کے تذکرے والے کسی اور شعر کے ضمن میں ڈاکٹر شجاعت سندیلوی کی مذکورہ کتاب کا حوالہ کہیں نہیں دیا، یہ ایک معمہ ہے۔ غور کریں تو یہی سمجھ آتا ہے کہ نساخ کا تذکرہ صدیقی صاحب نے نہیں دیکھا، جو کچھ اشعار کا فرق وغیرہ دکھایا ہے، ڈاکٹر سندیلوی کی کتاب مذکور کے حوالے سے دکھایا ہے لیکن ہر جگہ حوالہ تذکرے کا دیا ہے۔ یہ بات مناسب نہ تھی جس کا صدیقی صاحب کو بخوبی احساس تھا لہٰذا انہیں ایک جگہ سچ لکھنا پڑا۔

بہرحال یہ ایک سخن گسترانہ تھی، ''خطائے بزرگاں گرفتن خطا است'' پر تو میرا ایمان نہیں۔ اگر اس پر ایمان لائیں تو حافظ محمود شیرانی کو کیا منہ دکھائیں جنھوں نے شبلی و آزاد کی کوتاہیوں کو بے نقاب کر کے ہم مبتدیوں کو تحقیق و تنقید کی حقیقت اور منصب و مقصد سے روشناس کرایا۔ خیر، صدیقی صاحب کی مذکورہ کوتاہی یا کمزوری اپنی جگہ، ''کلیاتِ نظمِ حالی'' میں انھوں نے کلامِ حالی کے سلسلے کی ہر چیز کی تاریخ اشاعت متعین کرنے کی امکان بھر کوشش کی ہے۔ صرف فہرست ہی پر نظر ڈالنے سے سامنے آ جاتا ہے کہ فلاں نظم، قصیدہ، مرثیہ یا مثنوی وغیرہ کب شائع ہوئی اور صدیقی صاحب نے کہاں سے اخذ کر کے اپنے مرتبہ کلیات میں شامل کی۔

کلیات کی ترتیب و تدوین کے وقت کلامِ حالی کے جو مطبوعہ نسخے صدیقی صاحب کے پیش نظر تھے، ان کا ذکر گزشتہ سطور میں کیا جا چکا ہے۔ یہاں ان نسخوں کے بارے میں تنقیدِ متن کے ضمن کی جو گفتگو صدیقی صاحب نے کی ہے وہ پیش خدمت ہے:

> ''دیوانِ حالی طبع اوّل ۱۸۹۳ء مع مقدمہ شعر و شاعری مطبع انصاری دہلی کا شائع کردہ ـــــ یہ تین قسم کے کاغذ پر چھپا تھا۔ (میرے) پیش نظر نسخۂ قسم اوّل ہے (''کاغذ ولایتی، لوح میناکاری بر کاغذ چرمی'') کتاب کے پہلے حصے میں ۲۲۸ صفحے تک مقدمہ اور دوسرے حصے میں ۲۳۲ صفحات پر مشتمل دیوان چھپا ہے۔ کتابت دیدہ زیب ہے اور اگر دو معمولی نقائص کو نظرانداز کر دیا جائے تو صحتِ متن کے اعتبار سے بھی یہ نسخہ لاجواب ہے۔ پہلا نقص یہ ہے کہ قدیم طرزِ کتابت کے مطابق کئی الفاظ ملا کر لکھے گئے ہیں۔ اس نسخے میں لفظوں کے جوڑ توڑ کی عجیب و غریب صورتیں نظر آتی ہیں مثلاً بیچراغ (بے چراغ)، بھولگئے (بھول گئے)، بارانسے (باراں سے)۔۔۔ وغیرہ۔ دوسرا نقص یہ ہے کہ کاتب نے ''یاں'' ''واں'' کو بالالتزام ''یہاں''، ''وہاں'' لکھا ہے۔ دیوان میں جہاں کہیں یہ الفاظ آئے ہیں ہر جگہ یہی صورت نظر آئے گی۔۔۔ دیوانِ حالی کے دوسرے ایڈیشن (شائع کردہ الناظر بک ایجنسی، لکھنؤ) میں طبع اوّل کے نقائص بجنسہٖ موجود تھے۔ ۱۹۲۲ء میں جب اسی ادارے کی طرف سے دیوان کا تیسرا ایڈیشن چھپا تو مولانا ظفرالملک علوی نے ان نقائص کو دور کرنے کی طرف خاص توجہ دی۔۔۔ دیوانِ حالؔی کا چوتھا ایڈیشن (مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ) کتابت و طباعت کے لحاظ سے طبع سوم سے بہتر ہے۔''[۶]

کسی کام میں ''نقص'' وہ شے ہوتی ہے جو اس کام کے مسلمہ اور طے شدہ ضابطے کے خلاف ہو۔ جب حالی کے عہد میں املا کا یہی انداز تھا تو ظاہر ہے کاتب نے اسی انداز میں لکھنا تھا۔ اگر وہ مروجہ طریقۂ املا سے انحراف کرتا تو کہا جا سکتا تھا کہ اس کی املا میں نقص ہے۔

''فسانۂ عجائب'' میں طرزِ املا کے اسی انداز کی رشید حسن خاں نے جس اسلوب میں نشاندہی کی ہے وہ مثالاً پیش خدمت ہے۔''فسانۂ عجائب'' کے ایک نسخے کے تعارف کے ذیل میں رشید صاحب لکھتے ہیں:

''املا کے لحاظ سے اس نسخے میں وہ ساری باتیں موجود ہیں جو پرانی کتابوں میں بالعموم پائی جاتی ہیں یعنی یائے معروف و مجہول اور ہائے ملفوظ و مخلوط میں عدم امتیاز۔۔۔''[7]

ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے یہ تو بتایا کہ دیوانِ حالی طبع اوّل صحت ِمتن کے اعتبار سے لاجواب ہونے کے باوجود کون سے نقائص کا حامل ہے۔ یہ بھی بتایا کہ دوسرے ایڈیشن میں طبع اوّل کے نقائص سارے کے سارے موجود ہیں اور تیسرے ایڈیشن میں علوی صاحب نے ان نقائص کو دور کرنے پر خاص توجہ دی اور یہ کہ دیوان حالی کا چوتھا ایڈیشن کتابت و طباعت کے لحاظ سے طبع سوم سے بہتر ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ دیوانِ حالی کا طبع چہارم کن اعتبارات سے بہتر ہے اور کیوں بہتر ہے؟ طبع دوم کے نقائص تو طبع سوم کے مرتب نے دور کر دیے۔ طبع چہارم کا مرتب کون ہے؟ اس نے کون سا تیر مارا ہے کہ طبع چہارم، طبع سوم سے بہتر قرار پایا۔ اس سلسلے میں صدیقی صاحب خاموش رہے ہیں۔

دیوانِ حالی طبع اوّل میں املا کے ''معمولی نقائص'' (جو ہرگز نقائص نہیں بلکہ اس زمانے کے چلن کے مطابق ہیں) تو صدیقی صاحب نے گنوا دیے لیکن اس کی املا کی نمایاں خوبی سے صرفِ نظر کیا حالانکہ تنقیدِ متن کی ذیل میں اس پر بات ہونا ضروری تھی۔

''دیوانِ حالی کی اس اولین اشاعت کی متذکرہ قابل ذکر خوبی یہ ہے کہ اس میں اعراب لگانے کا اہتمام نظر آتا ہے۔ یہ درست ہے کہ یہ اس پیمانے پر نہیں ہے جیسا کہ مثلاً رشید حسن خاں کی مرتبات میں ہے۔''[8]

''کلیاتِ نظمِ حالی'' کی ترتیب و تدوین میں ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے طبع سوم (انوارالمطابع ایڈیشن) اور طبع چہارم (الناظر ایڈیشن) کو بھی سامنے رکھا کیونکہ بقول ان کے یہ ایڈیشن ''عموماً مستند'' سمجھے جاتے ہیں۔ اس لیے حواشی میں ان کے اختلافات درج کر دیے گئے ہیں۔[9]

صدیقی صاحب نے اپنے مرتبہ کلیاتِ نظمِ حالی جلد اوّل کے مقدمہ میں ص۲۸ پر دیوانِ حالی کے تیسرے ایڈیشن کو الناظر بک ایجنسی لکھنو کا طبع کردہ جب کہ ص۲۹ پر اس (تیسرے ایڈیشن) کو انوارالمطابع ایڈیشن کہا ہے ___ ڈاکٹر صاحب کا یہ بیان الجھن پیدا کرنے والا ہے کہ وہ دیوان کے دوسرے، تیسرے اور چوتھے ایڈیشن کا ناشر الناظر بک ایجنسی لکھنو بتاتے ہیں لیکن مقدمہ کے اگلے ہی صفحہ پر طبع سوم کے لیے ''انوارالمطابع ایڈیشن'' کے الفاظ استعمال کرتے نظر آتے ہیں ___ پھر ان کا یہ کہنا کہ طبع سوم اور طبع چہارم ''عموماً مستند'' سمجھے جاتے ہیں ___ کیا معنی رکھتا ہے؟ ''عموماً مستند'' تو بہت سی چیزیں سمجھی جاتی ہیں تو کیا جس بات کو بھی ''عموماً مستند'' سمجھا جائے گا، اسے کسی متن کی ترتیب و تدوین کے وقت بلاتحقیق آنکھیں بند کر کے قبول کر لیا جائے گا ___ ''عموماً مستند'' تو اسے بھی سمجھا جاتا ہے کہ خالقِ باری، امیر خسرو کی تصنیف ہے اور باغ و بہار کے قصے امیر خسرو نے اپنے مرشد کو ان کا دل بہلانے کے لیے ان کی علالت کے زمانے میں سنائے تھے لیکن جب ذمہ دار اور ترتیب و تدوین کے اصول و مقاصد سے باخبر لوگ ان کتابوں کو مرتب کرنے بیٹھے تو انھوں نے ان بیانات کو تحقیق کی کسوٹی پر پرکھا اور رد کر دیا۔

''ترتیب و تدوینِ متن'' ایک محنت طلب اور کٹھن کام ہے۔ یہ احتیاط پسندی اور ذمہ دارانہ طرزِ عمل کا تقاضا کرتا ہے۔ اس کام میں سنی سنائی باتوں پر بلا سوچے سمجھے اعتبار نہیں کیا جا سکتا بلکہ رد و قبول کے لیے مکمل چھان پھٹک سے کام لیا جاتا ہے۔ اگر کسی متن کی ترتیب و تدوین کے وقت چار ایسے نسخے مرتب کو میسر آ جائیں جن میں سے ایک مصنف کے زمانے کا ہے جس کے بارے

میں اعتماد کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ مصنف کی نگرانی میں طبع ہوا اور جس کے بارے میں رشید حسن خاں جیسا متشدد محقق کہتا ہے کہ:

''اس کی کتابت پر نظر ڈالیں تو آنکھوں میں نور اُتر آئے گا۔'' [۱۰]

تو ظاہر ہے کہ ایسے نسخے ہی کو ترتیبِ متن کے وقت سب سے زیادہ اہمیت دی جائے گی۔ بعد والے نسخوں کو کسی وجہ سے پیش نظر تو رکھا جا سکتا ہے لیکن متن کے تعین کے لیے ان پر بھروسہ نہیں کیا جائے گا۔ تنقیدِ متن کے سلسلے میں مرتب مقدمے میں ان نسخوں کا تسلی بخش تعارف کرواتا ہے جو وہ ترتیب کے وقت متن کے تعین کے لیے پیش نظر رکھتا ہے۔ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے اپنے پیشِ نظر نسخوں کے بارے میں اتنی ہی بات کی ہے جتنی ہم اوپر (گزشتہ سطور) بتا چکے ہیں۔

مثنویاتِ حالی کی ترتیب و تدوین میں علاوہ دوسری کتابوں کے مثنویات کے جو دو ایڈیشن ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی کے پیشِ نظر تھے، ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''پہلے ایڈیشن کے مرتب ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی ہیں۔ اسے انوار بک ڈپو لکھنؤ نے ۱۹۶۰ء میں شائع کیا۔ دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۶ء میں شیخ مبارک علی (تاجر و ناشر کتب لاہور) نے سید مرتضیٰ حسین فاضل کے مبسوط مقدمے کے ساتھ چھپوایا۔ ڈاکٹر شجاعت علی کے مرتبہ نسخے میں متن کی تصحیح کا اہتمام نہیں کیا گیا۔ ہر صفحے پر کئی کئی غلطیاں موجود ہیں۔ کتابت و طباعت بھی ناقص ہے۔ لاہوری نسخہ ظاہری اعتبار سے بدرجہا بہتر ہے۔ نیز مرتب کے فاضلانہ مقدمے سے اس کی قدر و قیمت اور بڑھ گئی ہے لیکن متن کے لحاظ سے یہ نسخہ لکھنوی ایڈیشن (مرتبہ شجاعت) کا مثنیٰ ہے۔'' [۱۱]

مثنویاتِ حالی کے جس مقدمے (از مرتضیٰ حسین فاضل) کو صدیقی صاحب نے ''فاضلانہ'' قرار دیا ہے، اس کی فضیلت پر روشنی ڈالنے کے لیے اس مقدمے سے کچھ جملے پیش خدمت ہیں:

''ان کے (یعنی حالی کے بھائی بہنوں کے) حالات اجازت نہیں دیتے تھے کہ بھائی کو مزید پڑھائیں لکھائیں، پھر رسم و رواج کے مطابق پندرہ برس کے لڑکے کی شادی بھی ہو جانا چاہیے تھی ورنہ لوگ طعنے دیتے۔۔۔۔ حالی نے بہت کوشش کی اور اس بندھن سے بچنے کی تدبیریں سوچیں مگر مجبور تھے، شادی تو ہو گئی۔۔۔۔'' [۱۲]

''بھائی اور بہن نے۔۔۔۔ شادی پر مجبور کیا۔۔۔۔ حالی نے بھی مصلحت دیکھی اور سترہ سال کی عمر میں شادی پر مجبوری کے ساتھ رضامندی دے دی۔'' [۱۳]

ملاحظہ ہو کہ ''فاضل مقدمہ نگار'' اپنے مقدمے کے صفحہ۱۴ پر حالی کی شادی پندرہ سال کی عمر میں کراتا ہے اور صفحہ۱۷ پر سترہ سال کی عمر____ یہ شاید ''رعایتِ صفحہ'' کا کمال ہے۔ اسی صفحے پر ایک جملہ یوں آیا ہے کہ: پھر ایک معمولی ملازمت اور سال ڈیڑھ سال کے چکر کے بعد جب چار سال تک جم کے گھر میں رہنے کا موقع ملا____ ''سال ڈیڑھ کا چکر'' یہ کیسا اسلوب بیان ہے اور اس کے کیا معنی ہیں؟

اپنے فاضلانہ مقدمے کے صفحہ۳۰ پر مرتضیٰ حسین فاضل فرماتے ہیں: ''دیوانِ (حالی) طبع اوّل میں بیس بائیس غزلوں پر ق لکھا ہے''____ اور اسی مقدمے کے ص۳۵ پر (حاشیے میں) رقم طراز ہیں: ''میرے پاس دیوان حالی کا پہلا ایڈیشن قسم اوّل۔۔۔۔

موجود ہے'' ـــــ دیوانِ حالی طبع اوّل پاس موجود ہے لیکن مرتضیٰ حسین فاضل صاحب اس میں سے شمار کر کے متعین طور پر یہ بتانے سے معذور ہیں کہ کتنی غزلوں پر ق لکھا ہوا ہے۔

فاضل صاحب کے فاضلانہ مقدمے میں زبان و بیان کی بھی متعدد غلطیاں ہیں۔ مقدمے کے آخر میں ماٰخذ کے عنوان کے تحت کتابوں کی فہرست ہے جس میں ساتویں نمبر پر دیوانِ حالی ۱۸۹۳ء کا نامی پریس کان پور میں طبع ہونا بتایا گیا جب کہ ص ۳۵ پر لکھتے ہیں کہ انصاری پریس دہلی سے ۱۸۹۳ء میں شائع ہوا۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ جب صفحہ ۳۵ کی عبارت لکھ رہے تھے تو دیوان کو اٹھا کر دیکھا۔ سرورق کی دوسری عبارت سے جداگانہ خط گلزار میں ہونے کے سبب یہ عبارت نظر میں کھب گئی ـــــ مطبع انصاری واقع دہلی میں چھپ کر ـــــ '' پھر جب ماٰخذ کی کتب لکھنے بیٹھے تو بھول گئے کہ دیوان کہاں سے چھپا تھا، اس لیے دوبارہ دیوان کا سرورق دیکھا تو جلی حروف میں لکھا دیوانِ حالی تو نظر آیا اور پھر موٹے لفظوں کی آخری سطر ـــــ '' نامی پریس کان پور میں چھپا'' اس سے اوپر والی باریک قلم کی لائنیں نظر نہ آئیں جو کہہ رہی تھیں ـــــ ''ٹائٹل پیج، محمد رحمت اللہ رعد کے''

ڈاکٹر صدیقی تسلیم کرتے ہیں کہ شیخ مبارک علی کا مطبوعہ نسخہ متن کے لحاظ سے لکھنوی ایڈیشن (مرتبہ شجاعت) کا مثنیٰ ہے لیکن ساتھ ہی یہ فرماتے ہیں کہ ظاہری اعتبار سے یہ شجاعت کے نسخے سے بدرجہا بہتر نیز مرتب کے فاضلانہ مقدمے سے اس کی قدر و قیمت اور بڑھ گئی ہے۔ [۱۴]

مقدمہ جیسا کچھ فاضلانہ ہے اس کی کچھ جھلکیاں ہم مندرجہ بالا سطور میں دکھا چکے ہیں ـــــ لیکن ''ظاہری اعتبار سے'' بہتر ہونے کا سراغ ہم نہیں پا سکے اور پاتے بھی کیسے؟ جب ہم یہ ہی متعین نہیں کر سکے کہ ''ظاہری'' میں کیا چیزیں شامل ہوئی ہیں۔ کیا کاغذ عمدہ استعمال ہوا ہے؟ کاتب کا خط اچھا ہے؟ ٹائٹل دیدہ زیب ہے، جلد مضبوط ہے۔ ظاہری چیزیں، کسی کتاب کی میری ناقص فہم کے مطابق یہی ہوتی ہیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان چیزوں سے متن کی ترتیب و تدوین میں کیا مدد مل سکتی ہے؟ لہٰذا صدیقی صاحب کا یہ کہنا کہ انھوں نے مثنویوں کی ترتیب میں اس سے مدد لی، سمجھ سے بالاتر ہے۔

''مقدمہ'' میں مرتب کو اپنے ماخذ کا تعارف واضح طور پر کرانا چاہیے اور یہ بھی بتانا چاہیے کہ اپنے متن کی بنیاد اس نے کس نسخے کو بنایا ہے؟ اور کیوں بنایا ہے؟ یعنی اس نسخہ کی خصوصیات مناسب تفصیل کے ساتھ بیان کرنی چاہئیں اور متن کی تصحیح اور اختلافِ نسخ کے لیے جن نسخوں کو سامنے رکھا ہو ان کے بارے میں ضروری گفتگو کرنی چاہیے۔ یہ سب باتیں تنقیدِ متن کے ذیل میں آتی ہیں۔

صدیقی صاحب تنقیدِ متن کے یہ تقاضے پورے نہیں کرتے بلکہ یہ کہا جائے کہ وہ متن کی ترتیب و تدوین میں اپنے ''طریق کار'' کو واضح نہیں کرتے، تو بے جا نہ ہوگا۔

''کلیاتِ نظمِ حالی'' جلد اوّل و دوم کی ترتیب و تدوین میں یہاں وہاں سے شائع ہونے والے حالی کے کلام کے مجموعوں، نظموں اور مثنویوں وغیرہ کا، جو پیشِ نظر رہے، ذکر کرتے ہیں لیکن ان کی خوبیوں یا خامیوں پر دو حرفی بات سے آگے نہیں بڑھتے مثلاً مسدس مدوجزر اسلام کے مختلف ایڈیشنوں کے بارے میں لکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ ـــــ پہلا ایڈیشن ماہ جون ۱۸۷۹ء میں چھپا اور دوسرا ایڈیشن ۱۸۸۰ء میں، کیسا چھپا؟ اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ تیسرے ایڈیشن کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''تیسرا ایڈیشن ـ ـ ـ ۔ ۱۸۸۶ء میں شائع ہوا۔ مولانا حالی نے نظرِ ثانی کے بعد تیسرے ایڈیشن میں بہت سے مصرعے بدل دیے ہیں۔ کہیں کہیں دو ایک بند بڑھا دیے ہیں بعض جگہ ترتیب بدل دی ہے۔'' [۱۵]

مسدس کی تدوین میں اپنے طریقہ کار کے بارے میں لکھتے ہیں: تہذیب الاخلاق سے مقابلہ کر کے پہلے ایڈیشن اور ترمیم

شدہ نسخے کا فرق حواشی میں ظاہر کر دیا گیا ہے ـــــ اس بیان سے کچھ ظاہر نہیں ہوتا کہ کس نسخے کو بنیاد بنایا ہے، پہلے ایڈیشن کا فرق اور تیسرے نسخے کی متعدد ترمیمات اور اضافے تو آ گئے، حاشیے میں کس نسخے کو رکھا، متن میں کس نسخے کو رکھا، اس کا اعلان جہاں کرنا تھا وہاں نہیں کیا، ذرا آگے چل کر اس راز سے پردہ اٹھایا۔ فرماتے ہیں کہ:

''مسدس کے سینکڑوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ ۱۹۳۵ء میں اس کا صدی ایڈیشن خاص اہتمام سے چھپا تھا جو اب تک مسدس کا صحیح ترین ایڈیشن مانا جاتا ہے۔ تاج کمپنی نے بھی مسدس کا ایک اعلیٰ ایڈیشن شائع کیا تھا۔ مسدس کی ترتیب میں تاج کمپنی کے نسخے کو بنیادی نسخہ قرار دیا گیا ہے اور متن کی تصحیح میں صدی ایڈیشن سے مدد لی گئی ہے۔''[۱۶]

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حالی کی نظر ثانی اور ترمیم و اضافے والا تیسرا ایڈیشن کیوں صحیح ترین نہیں جو مصنف کی نظروں کے سامنے ۱۸۸۶ء میں شائع ہوا۔ ۱۹۳۵ء والے صدی ایڈیشن میں کیا خاص بات تھی جو وہ مصنف کی زندگی میں اس کی نظر ثانی سے شائع ہونے والے ایڈیشن سے بہتر ہو گیا اور چلو اگر اسے صحیح ترین مانا جاتا ہے تو صدیقی صاحب نے اسے اپنے متن کی بنیاد بنانے کی بجائے تاج کمپنی کے نسخے کو کون سی وجوہات کے پیشِ نظر بنیاد بنایا۔

کوئی مرتب جب کسی نسخے کو اپنے متن کی بنیاد بناتا ہے تو مناسب تفصیل کے ساتھ اس کی وجوہات بیان کرتا ہے مثلاً رشید حسن خاں نے مثنوی سحرالبیان کی ترتیب و تدوین میں فورٹ ولیم کالج کے مطبوعہ نسخے کو بنیاد بنایا ہے اور اس کی وجوہ اپنے مقدمے میں عنوان ''طریق کار'' کے تحت ص ۱۲۶ پر مختصراً سات آٹھ سطروں میں اور اس سے پہلے نسخے کے تعارف کے سلسلے میں ساڑھے چھ صفحات میں (ص ۱۲۶ تا ۱۳۲) میں اور اس سے پہلے ص ۷۱ سے ۷۶ تک ضمناً بیان کی ہیں۔[۱۷]

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اصل چیز وہ خیالات ہیں جنھیں مصنف نے پیش کرنا چاہا تھا مگر الفاظ کے بغیر وہ خیالات معرض اظہار میں نہیں آ سکتے تھے۔ اس بنا پر تدوین میں بنیادی اہمیت الفاظ کی ہے، جو واحد وسیلۂ اظہار ہوتے ہیں۔ الفاظ مرتب صورت میں خیال کی تصویر کشی کرتے ہیں۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ ممکن حد تک ان کی وہی شکل اور وہی ترتیب ہمارے سامنے ہو جس کو مصنف نے ادائے خیال کے لیے اختیار کیا تھا لیکن اس کے ساتھ یہ بھی لازم ہے کہ:

''تدوین متن میں متن کو منشائے مصنف کے مطابق پیش کر دینا ہی کافی نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ اسے اس طرح پیش کیا جائے کہ اس کی قرأت اور تفہیم میں مشکل پیش نہ آئے۔ اس کے لیے حواشی میں ضروری وضاحتیں کرنا مرتب کا فرض ہوتا ہے۔ مختصر حواشی کو متن کے صفحے کے نیچے اور طویل حواشی کو متن کے آخر میں ضمیمے یا ضمیموں کی شکل میں شامل کرنا چاہیے۔''[۱۸]

''کلیاتِ نظمِ حالی'' (جلد اول و دوم) میں ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے فرہنگ کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی اور حواشی میں بھی جہاں دل چاہا کسی مشکل لفظ کی وضاحت کر دی جہاں دل نہیں چاہا چپکے سے آگے بڑھ گئے۔ یوں ''من کی موج'' میں حاشیہ لکھنے کی ایک دو مثالیں پیش خدمت ہیں۔

''کلیاتِ نظمِ حالی'' جلد اوّل کے صفحہ ۱۷۵ پر ایک شعر کا دوسرا مصرعہ ہے۔

ع قحبہ چوں پیر شود پیشہ کند دلالی

حاشیے میں صدیقی صاحب نے اس کا اردو ترجمہ دے دیا ہے۔ (بازاری عورت جب بوڑھی ہو جاتی ہے تو دلالی کا پیشہ اختیار

کرتی ہے) ص۲۴۹ پر ایک رباعی کا عنوان عربی میں ہے لیکن حاشیے میں اس کا ترجمہ دینے کی ضرورت نہیں محسوس کی۔ ص۳۱۳ پر ایک شعر کے دوسرے مصرعے میں ''نیکی کن و در دریا فگن'' کی مثل آئی ہے۔ اس کا بھی ترجمہ نہیں دیا۔ ص۱۷۶ پر ایک قطعے میں اخطل و اعشیٰ دو اسما آئے ہیں، حاشیے میں بتایا ہے کہ یہ دو مشہور عرب شاعروں کے نام ہیں لیکن ص۵۸ پر پہلی غزل کے مقطعے میں آنے والے دو اسماظہیر و رشید کے بارے میں خاموشی اختیار کرنا مناسب سمجھا ہے۔

کلیاتِ نظمِ حالی جلد اوّل و دوم کے لیے فرہنگ کی ضرورت نہ جانے کیوں محسوس نہیں کی گئی۔ لہٰذا ہزاروں الفاظ وضاحت طلب رہ گئے ہیں۔ یہ درست ہے کہ حالی سادہ زبان میں شعر کہتے تھے لیکن پھر بھی ایسے سادہ تو وہ نہ تھے کہ ان کے کلام میں کوئی تلمیح نہ آئی ہو، کوئی ایسا روزمرہ یا محاورہ نہ آیا ہو، جو آج ہمارے لیے اجنبی ہو گیا ہے۔ حالی کے یہاں آنے والے چند اسماء اور تلمیحات وغیرہ کی چند مثالیں جن کی صدیقی صاحب نے کوئی وضاحت نہیں کی۔

شش جہت۔ نردبان۔ جام نبید (لغات میں نبیذ ملتا ہے حالی نے ''د'' کے ساتھ باندھا ہے[19] کیوں؟ کوئی وضاحت نہیں۔

ص۶۰ پر ایک شعر ہے:

بزم دشمن میں نہ جی سے اترا   پوچھنا کیا تیری زیبائی کا

اس کا مفہوم واضح نہیں ہے لیکن صدیقی صاحب نے کوئی وضاحت نہیں کی۔ ص۶۱ پر نخل ایمن اور سنگ طور کی تراکیب تشریح طلب ہیں۔ کچھ اور الفاظ و تراکیب یہ ہیں۔ نسیم مصر، دود پیچاں، یوسف، زلیخا، کنعاں، خضر، آب حیواں، گل و ریحاں۔ ص۷۲ پر غزل نمبر۱۷ کا یہ شعر وضاحت چاہتا ہے:

ہوں گے قائل وہ ابھی مطلع ثانی سن کر
جو تجلّی میں یہ کہتے ہیں کہ تکرار نہیں

اب کچھ اور الفاظ جن کے معنی سمجھانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ ص۸۸ پر وار دیکھا، گبروتر سا صفحہ۹۰-۹۱ کے حاشیے میں مسیں وحبر سجاح، اسود عنسی اور مسلیمہ کے بارے میں تو کچھ وضاحت کر دی لیکن ص۱۶۳ کے ایک لفظ ''ہمیانیاں'' اور ص۱۶۴ کے ''ہامانیاں'' اور ص۱۶۷ کے ''تورانیوں'' اور ''مازندرانیوں'' کے بارے میں خاموشی کو پسند کیا۔

کلیاتِ نظمِ حالی (جلد اوّل و دوم) میں شروع سے لے کر آخر تک ''حواشی'' کا یہی حال ہے۔

''کلیاتِ نظمِ حالی'' (جلد اوّل و دوم) کی ترتیب و تدوین میں حالی کی غزلوں کے لیے اور مختلف قسم کی نظموں کے لیے ڈاکٹر صدیقی نے ان کے کلام کے کون کون سے نسخوں کو بطور اساسی نسخہ استعمال کیا اس کی وضاحت انھوں نے مقدمے میں نہیں کی، صرف اس کی ترتیب کے بارے میں بتایا ہے کہ تاج کمپنی کے نسخے کو بنیادی نسخہ قرار دیا۔ اپنے مرتبہ متون میں جس جس نسخے کو صدیقی صاحب بنیادی نسخہ بناتے ہیں اسے راز میں رکھتے ہیں کہیں وضاحت نہیں کرتے، مسدس کے معاملے میں انھوں نے اخفا سے کام نہیں لیا لیکن یہ بتانا پسند نہیں کیا کہ انھوں نے مسدس کے پہلے اور تیسرے ایڈیشنوں کے پیش نظر ہونے کے باوجود ان میں سے کسی ایک کو بنیاد کیوں نہیں بنایا جب کہ وہ خود اعلان کرتے ہیں کہ مسدس کا تیسرا ایڈیشن مولانا حالی کی نظر ثانی کے بعد شائع ہوا تھا۔

ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے کلامِ حالی کی مختلف اشاعتوں کی اطلاع تو مقدمے میں دی ہے لیکن سرسری ''تعارف'' کا حق کہیں

ادا نہیں کیا۔ دیوانِ حالی طبع اوّل کے بارے میں کچھ تفصیل دی ہے، طبع دوم، طبع سوم، چہارم وغیرہ کے بارے میں صرف مطبع یا ناشر کا نام اور سن اشاعت بتانا کافی سمجھا ہے۔

حالی کی مثنویوں اور بعض طویل نظموں پر مشتمل ''مجموعہ نظمِ حالی'' کا سنِ اشاعت بھی بتایا ہے اور یہ بھی کہ اس میں کون کون سی منظومات شامل ہیں لیکن یہ نہیں بتایا کہ یہ کہاں سے شائع ہوا۔ صدیقی صاحب واضح طور پر تو نہیں بتاتے کہ ''مجموعہ نظمِ حالی'' انھوں نے دیکھا، لیکن ان کی گفتگو بتاتی ہے کہ یہ نسخہ ان کے پیش نظر نہیں تھا۔ مجموعہ نظمِ حالی کا دوسرا ایڈیشن بقول ڈاکٹر صدیقی، مولوی وحید الدین سلیم نے شائع کیا تھا۔ چار نظموں کے اضافے کے ساتھ ___ کہاں سے شائع ہوا، کب شائع ہوا، یہ صدیقی صاحب نے نہیں بتایا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ دونوں نسخے صدیقی صاحب نے جب دیکھے نہیں تو ان کے مشمولات کا علم انہیں کہاں سے حاصل ہوا ___ ضروری تھا کہ وہ اپنا مآخذ بتاتے، لیکن یہاں انھوں نے حسب عادت پھر اخفا سے کام لیا ہے اور جو نسخے انھوں نے دیکھے اور جن کا ذکر مقدمہ میں صفحہ ۳۱ پر کیا، ان کی کچھ تفصیلات؟ یہاں پھر صدیقی صاحب کا اخفائی طریقہ کار آڑے آتا ہے۔ وہ دو نسخوں کا مقام و سنِ اشاعت بتاتے ہیں اور یہ بھی کہ کتابت، طباعت، صحتِ متن معیاری لیکن دوآبہ ہاؤس لاہور کے نسخے کا نہ سنِ اشاعت بتاتے ہیں، نہ اس کے متن کی صحت سے مطلع کرتے ہیں۔

ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی کا اپنے مآخذ کے بارے میں اطلاع دینے کا طریقہ بھی عجب ہے۔ چاہیے تو تھا کہ ایک ترتیب کے ساتھ باری باری سب مآخذ کے بارے میں معلومات مہیا کی جاتیں تا کہ قاری کو ایک جگہ سے ایک چیز کے بارے میں ساری باتیں معلوم ہو جاتیں۔ ایسا کرنے کے بجائے صدیقی صاحب یوں کرتے ہیں کہ مصنف کا نام بتائے بغیر پہلے ایک کتاب کا نام بتاتے ہیں کہ اس سے کیا کیا چیزیں اخذ کیں، پھر درمیان میں مصنف کا نام بتا کر کسی اور کتاب کا ذکر شروع کر دیتے ہیں۔ اس کی خصوصیات رقم فرماتے ہیں، اس کے عیب گناتے ہیں اور اسی دوران میں بتاتے ہیں کہ اس مصنف کی سبھی کتابوں میں یہ عیوب مشترک ہیں اور پھر مثال کے طور پر جب اوّل الذکر کتاب کا نام لیتے ہیں تو واضح ہوتا ہے کہ اس کا مصنف یا مرتب کون ہے؟ اس طرح پہلے کتاب کا نام سامنے آتا ہے اور سولہ سترہ سطروں کے بعد اس کے مصنف یا مرتب کی رونمائی ہوتی ہے۔ وہ بھی بلاواسطہ نہیں بالواسطہ۔

بہرحال کلیاتِ نظمِ حالی (جلد اول و دوم) کا مقدمہ جیسا کچھ بھی ہے اس میں مآخذ کے بارے میں گفتگو قدرے مفصل ہے لیکن سبھی مآخذ کے بارے میں نہیں، صرف ایک دو کے بارے میں۔ باقی جہاں تک متن کے مسائل، اس کی زبان و بیان کی خوبیوں، متن کی تفہیم کے لیے ضروری وضاحتوں کا تعلق ہے مقدمہ میں ان سے اعتنا نہیں کیا گیا۔ تنقیدی گفتگو جس کا مرکز و محور حالی کی فکر ہے۔ اس مقدمے میں خوب کی گئی ہے۔

بحیثیت مجموعی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کلیات نظم حالی (دو جلدوں) کی تدوین میں صدیقی صاحب نے اصول و لوازمِ تدوین کو پیش نظر ضرور رکھا ہے تاہم کچھ کمیاں اور کوتاہیاں بھی ان کے اس مدونہ کام میں موجود ہیں۔ جن پر ہم نے تفصیلاً روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

حواشی

۱۔ افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر (مرتبہ)، کلیاتِ نظمِ حالی (جلد اوّل)، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۸ء، ص:۳۲ (مقدمہ)

۲۔ ایضاً، ص: ۲۸، ۲۹

۳۔ ایضاً، ص:۲۹

۴۔ افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر (مرتبہ)، کلیاتِ نظمِ حالی، (جلد دوم) لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۰ء، ص:۱ (پیش لفظ)

۵۔ شجاعت سندیلوی، ڈاکٹر، حالی بحیثیت شاعر، لکھنؤ، دانش محل، ۱۹۶۰ء، ص:۱۹۰

۶۔ افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر (مرتبہ)، کلیاتِ نظمِ حالی (جلد اوّل)، ص:ف ۲۷، ۲۸ (مقدمہ)

۷۔ رشید حسن خاں (مرتبہ)، فسانۂ عجائب، لاہور، نقوش، ۱۹۹۰ء، ص:۳۷ (مقدمہ)

۸۔ دیوانِ حالی (طبع اوّل) کی عکسی اشاعت، کراچی، شائستہ پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۸ء، ص:۱۶ (مقدمہ)

۹۔ افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر (مرتبہ)، کلیات نظم حالی (جلد اوّل)، ص:۲۹ (مقدمہ)

۱۰۔ دیوانِ حالی (طبع اوّل) کی عکسی اشاعت، ص:۲۱ (مقدمہ)

۱۱۔ افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر (مرتبہ)، کلیات نظم حالی (جلد اوّل)، ص:۳۴، ۳۵

۱۲۔ مرتضیٰ حسین فاضل، مثنویات حالی، لاہور، شیخ مبارک علی اینڈ سنز، ۱۹۶۶ء، ص:۱۴

۱۳۔ ایضاً، ص:۱۷

۱۴۔ افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر (مرتبہ)، کلیاتِ نظمِ حالی (جلد اوّل)، ص:۳۵

۱۵۔ ایضاً، ص:۳۲ (مقدمہ)

۱۶۔ ایضاً، ص:۲۶ (مقدمہ)

۱۷۔ رشید حسن خاں (مرتبہ)، سحرالبیان، دہلی، انجمن ترقی اردو ہند، ۲۰۰۰ء، ص:۱۷ تا ۴۷ اور ص:۱۲۶ تا ۱۳۲

۱۸۔ رشید حسن خاں، تدوین، تحقیق، روایت، دہلی، اے۔ایس۔ پرنٹرز، ۱۹۹۶ء، ص:۶۳